علم منطق ـــــ ایک جائزہ

(۳)

مولانا بدر الزماں نیپالی مرکزی دار العلوم بنارس

غرض یہ کہ ارسطو (۳۸۴-۳۲۲ ق م) نے منطق اور اس کے قواعد و قوانین کا اختراع اور اس کی ایجاد نہیں کی۔ بلکہ اس کی تدوین و ترتیب کا کام اس نے سب سے پہلے انجام دیا۔ عام طور پر یہ مشہور ہے کہ منطق ارسطو کی مزاولتِ فکر کا نتیجہ ہے۔ جس کو اس نے مرتب کر کے لوگوں کے سامنے پیش کیا۔ اور مقبولیتِ عام حاصل کی۔ اور اس سے پہلے منطق کوئی قابل ذکر شئ نہ تھی۔ حالانکہ یہ خیال خام ہے۔ چنانچہ ہم شہرستانی کا بیان بھی نقل کر رہے ہیں۔ وہ رقمطراز ہیں۔

وهو (ارسطو) واضع لا بمعنى انه لم يكن المعاني مقومة بالمنطق قبله فقومها بل بمعنى انه جرد آلته عن المادة فقومها تقريبا الى اذهان المتعلمين حتى يكون كالميزان عندهم۔ (۲۶)

ارسطو واضع منطق اس معنی کر کے نہیں ہے کہ معانی اس سے پہلے منطق کی گرفت میں تھے ہی نہیں۔ تو وہ معانی کو منطق کی گرفت میں لے آیا۔ بلکہ واضع اس طرح سے ہے کہ اس نے مادہ سے ایک آلہ الگ کیا ہے پھر اذہان متعلمین سے اس کو قریب کرنے کے لئے ایک فن کی حیثیت سے پیش کیا تاکہ وہ طلبا کے لئے میزان کا فائدہ دے۔

اس کی مزید تشریح ہمیں قاضی صاعد اندلسی (متوفی ۴۶۲ھ) سے ملتی ہے۔ اور انہیں کی عبارت کو قاضی جمال الدین قفطی (۶۴۶ھ) نے نقل کیا ہے۔ بہر حال وہ کہتے ہیں۔

86683
Date 26.6.86

وھو (ارسطو) اول من خلص صناعۃ البرھان من سائر الصناعات المنطقیۃ وصورھا بالاشکال الثلاثۃ وجعلھا آلۃ للعلوم النظریۃ حتی لقب بصاحب المنطق۔ (۲۷)

ارسطو پہلا شخص ہے جس نے تمام منطقی صنعتوں سے صنعت برہان (قیاس) کو الگ کرلیا اور اشکال ثلاثہ کی تصویر تیار کردی اور ان کو علوم نظری کے لئے آلہ قرار دیدیا۔ یہاں تک کہ اسے صاحب منطق کا لقب مل گیا۔

معاملہ یہاں بالکل واضح ہوگیا کہ ارسطو نے منطق کے ہر ہر جز کی ایجاد نہیں کی ہے بلکہ تمام منطقی صنعتیں اس سے پہلے بھی استعمال کی جاتی تھیں۔ اور ان کی تعلیم و تعلم، اس کی تدوین سے پہلے باقاعدہ جاری تھی۔ جس کا پتہ ہم "دیمقراطیس" کی تحصیل منطق سے لگاسکتے ہیں۔ جو نقل کیا جاچکا۔ اور اس سے بھی کہ ارسطو اور اس کے استاذ افلاطون دونوں متقدمین کے خیالات کو ہضم کرکے اپنے جودت فکر کے ذریعہ ایک جدید نظریہ حاصل کرلینے میں بڑے ہی ماہر تھے۔

ارسطو چونکہ اپنے استاذ سے بھی دقیق النظر واقع ہوا تھا۔ اس لئے اس کی سمجھ میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ ہم برہانیات (قیاسات) کو الگ کرکے ایک فن کی حیثیت سے پیش کردیں۔ چنانچہ اس نے کیا بھی یہی، کہ علوم نظری کے لئے اس فن کو ایک آلہ بنادیا۔ اور یہی آلہ منطق کے لقب سے ملقب ہوا۔

(۱) افلاطون (Plato) تمام مؤرخین کے نزدیک افلاطون فلسفہ کے اساطین سبعہ اور اساطین خمسہ دونوں میں سے ہر ایک کا اہم رکن شمار کیا جاتا ہے۔ وہ ۴۲۹ ق م کے درمیان ایتھنا میں پیدا ہوا۔ اور ۳۴۷ ق م میں روم کے ایک شہر "قونیہ" کے اندر وفات پائی اور یہیں قلعہ کے پاس مدفون ہوا۔ (۲۸)

افلاطون جس طرح بڑے ہی لطیف انداز میں تعلیم دیتا تھا۔ جس کا صرف ادراک ہو پاتا تھا ارسطو چل چل کر بھی تعلیم دیتا تھا۔ چنانچہ قاضی صاعد اندلسی لکھتے ہیں۔

واما افلاطون فشارك سقراط في الاخذ عن فيثاغورس الا انه لم يشتهر بالحكمة الا من بعد سقراط وكان يعلم الفلسفة وهو ماش فعرف هو وتلاميذه بالمشائين۔ (۲۹)

افلاطون فیثاغورس سے علم حاصل کرنے میں سقراط کا شریک تھا۔ مگر یہ کہ اسے سقراط کے بعد ہی فلسفہ دانی میں شہرت ملی۔ وہ فلسفہ کی تعلیم چل چل کر دیتا تھا اس وجہ سے وہ اور اس کے تلامذہ مشائین کے نام کے ساتھ پہچانے گئے۔

اس سے معلوم ہوا کہ مشائیت کی ابتداء افلاطون ہی سے ہو چکی تھی۔ اور اس کے تلامذہ کو مشائین کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔

افلاطون یہ پہلا فلسفی ہے۔ جس کے بارے میں ہمیں صراحت کے ساتھ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی فلسفیانہ تصنیفات کے اندر تصورات کا ایک مکمل خاکہ پایا جاتا ہے۔ اس نے فیثاغورس کے علاوہ سقراط جیسی ذی علم شخصیت کی بھی شاگردی کی تھی (۳۰) اور اس کی جوتیاں صاف کی تھیں۔ جس کے نتیجے میں اس کو ایک نئے علم کی طرف کچھ رہنمائی ہوئی۔ گرچہ وہ اس کا مکمل طور پر تجربہ نہ کر سکا۔ کیونکہ یہ اس کے مدرسے کے پروردہ ارسطو ہی کا حصہ تھا۔ چنانچہ منطق کے بارے میں ہمیں ارسطو سے پہلے کی بعض تحریروں کا پتہ "کلپے" دیتا ہے کہ "ارسطو سے پہلے کی بعض تحریریں اس علم (منطق) کے متعلق پائی جاتی ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پہلے منطق کسی نہ کسی تحریری صورت میں ضرور پائی جاتی تھی۔ (۳۱)

اسی کے ساتھ ڈاکٹر محمد البھی مصری کا یہ بیان ملا لیجئے کہ "افلاطون وارسطو میں سے (ہر ایک کا ایک الگ الگ فلسفیانہ نظام ہے اور) ہر ایک کی یہ کوشش رہی ہے کہ اپنے نظام کے اندر وہ متقدمین فلاسفہ کے افکار ونظریات کو کوٹ کوٹ کر بھر دے۔ یہی وجہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک کے فلسفیانہ مذہب میں پرانے مدرسوں کے آثار صاف طور پر نمایاں ہیں۔ چنانچہ افلاطون کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ صوفیاء اور فلاسفۂ الٰہیات کے زمرے میں ہونے کے باوجود منطق میں صاحب "کلیات" ہے۔ جس طرح ارسطو "معیار فکر" کا مستخرج اور

صاحب "ارغانون" ہے۔ (۳۲) جو منطق کی سب سے پہلی کتاب قرار دی جاتی ہے۔

اب دونوں بیانات کو سامنے رکھ کر دیکھئے تو دو چیزوں میں سے ایک ضرور لازم آئے گی۔ اول یہ کہ "کلیات" افلاطون کی کوئی مستقل تصنیف ہو، جس میں منطق کے مسائل سے بحث کی گئی ہو۔ دوم یہ کہ وہی تصورات اور غیر مرتب قسم کی کچھ کلی باتیں ہوں جن کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ بہر حال "ارغانون" (جو مسلم طور پر ایک مبسوط کتاب ہے) کے بالمقابل اس کا ذکر ہی اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ ضرور کوئی کتاب ہے۔ لیکن بالفرض اسے تصنیف نہ سمجھا جائے جب بھی افلاطون کی منطقیت اور ارسطو سے پہلے استخراج منطق کے سلسلے میں کد و کاوش اور ایک حد تک کامیابی کا پتہ چلتا ہے۔

افلاطون نے ایتھنز میں ایک مدرسہ قائم کیا تھا جس میں شہرستانی کے قول کے مطابق ارسطو طیماوس اور ثاوفرسطس نے تعلیم پائی اور یہ کہ وہ اس مدرسے میں مذکورہ بالا دو طریقے پر تعلیم دیتا تھا۔ اس کی وفات کے بعد مدرسے کا منتظم و منصرم سپیسپوس (Speusippus) قرار پایا پھر سکے بعد دیگرے لوگ اس کے مہتمم ہوتے رہے۔ حتیٰ کہ یہ ادارہ ۵۲۹ء میں قیصر جسٹینین کے عہد میں بند کر دیا گیا، کیونکہ اس نے تمام مدارس اور مکاتب پر پابندی لگادی اور اوقاف ضبط کر لئے (۳۳)

(۲) ارسطو (ارسطوطالیس Aristotle) ارسطو ۳۸۴ ق م میں یونانی شہر استاجیرس میں پیدا ہوا باپ "نیقوماخس" (Nicomachus) کی وفات کی وجہ سے اس کی تعلیم بچپن میں ٹھیک سے نہ ہو سکی اٹھارہ سال کی عمر میں اس کے سرپرست پرکسینس (Proxenus) نے اس کو تحصیل علم کے لئے ایتھنا بھیجا۔ جو ان دنوں علوم عقلیہ کا گہوارہ تھا۔ یہاں ارسطو نے افلاطون کی خدمت میں بیس سال تک رہ کر علوم عقلیہ کی تکمیل کی۔ اس کو قدرت نے تحصیل علم کے لئے بلا کا حرص عطا کیا تھا۔ وہ راتوں رات جاگ کر مطالعہ کرتا رہا، حتیٰ کہ اس کی ذہانت، محنت، جفاکشی، نکتہ رسی اور دقیقہ سنجی کی دھاک بیٹھ گئی، وہ جس معاملہ میں غور و فکر کرتا اس میں سے ایک نئی چیز نکال لیتا تھا۔ اس کا تدبر ہی استخراج و استنباط کا ضامن تھا۔ اسے ایک ناقدانہ طبیعت ملی تھی۔ جس کی وجہ سے وہ

کسی بھی مسئلہ میں تقلید کو روا نہیں سمجھتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ متقدمین فلاسفہ نے کسی چیز کے بارے میں اگر کوئی نظریہ قائم کر لیا ہو تو ضروری نہیں کہ وہ از روئے تحقیق صحیح بھی ہو، کیونکہ غلط خیالات اور باطل افکار کو معاشرے کے دماغ میں باپ دادا کی کورانہ تقلید کی وجہ سے جگہ مل جاتی ہے۔ اور دھیرے دھیرے وہ عقیدے کی طرح قلب وجگر میں راسخ ہو جاتے ہیں۔

انہیں بے لاگ تنقیدات اور تحقیقی نظریات کے پیش نظر بعضوں نے یہ سمجھ لیا کہ وہ اپنے شفیق استاذ افلاطون کا بھی مخالف اور معاند ہے۔ حالانکہ اس نے اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کیا کہ استاذ کی ہر ہر رائے پر آمنا وصدقنا نہیں کہہ دیا۔ بلکہ اپنے علمی معیار پر ہر ایک کو وزن کیا۔ جس میں غلطی دیکھی اس پر سخت ترین انداز میں تنقید کی۔ لیکن اس قدر احتیاط کے ساتھ کہ نہ تو شخصیت مجروح ہو اور نہ اثبات مدعیٰ میں کوئی خامی رہ جائے۔ اس قسم کی تنقیدیں اس کی کتابوں میں بے شمار پائی جاتی ہیں۔ طالب علمی ہی کے زمانے سے اس نے اپنی فکری ورزش شروع کر رکھی تھی۔ چنانچہ وہ جسمانی غذا کے لئے چند لقمے پر قناعت کرتا تھا۔ لیکن روحانی غذا کے لئے اس مقدار کو کافی نہیں سمجھتا تھا۔ اسی وجہ سے وہ کثرت مطالعہ کا شوقین ہو گیا تھا۔ قدیم فلسفہ پر مجتہدانہ نظر ڈالنے کے باعث اس نے علوم کے اندر اتنی مہارت اور بصیرت پیدا کر لی تھی کہ پورے مدرسے میں اس کا کوئی ثانی نہ تھا۔ بلکہ اس کی زود فہمی اور باریک بینی اس حد تک مسلم ہو چکی تھی کہ ہر مشکل معاملہ میں جب تک اس کی طرف مراجعت نہ کر لی جاتی کوئی قطعی فیصلہ نہیں کیا جاتا تھا۔

افلاطون کی وفات (۳۴۷ ق م) کے بعد جب وہ اثینا کے سفیر کی حیثیت سے ایک زمانہ تک مقدونیہ میں مقیم رہ گیا اور استاذ کے مدرسہ کی حالت معلوم نہ ہوئی تو اثینا واپس چلا آیا اس وقت "اکسینو فراط" اس مدرسہ کا معلم تھا، تعلیم برائے نام جاری تھی، مدرسہ کی حالت ناگفتہ بہ ہو چکی تھی۔ اس لئے ارسطو نے وہاں یونہی بیکار بیٹھا رہنا مناسب نہ سمجھا۔ اور افلاطونی مذہب فکر کے مخالف اور مقابل ایک مذہب فکر کی بنیاد ڈال دی۔ لیکن یہاں مستقل طور سے قیام نہ کر سکا اور ایشیائے کوچک میں اپنے رفیق درس شاہ اٹرینس (Ataaneus)

کے پاس پہنچا۔ ابھی تین سال کی مدت گذری تھی کہ شاہ مقدونیہ فیلبس نے اپنے بیٹے سکندر مقدونی کی تعلیم و تربیت کے لئے اس کو بلا لیا۔ سکندر کی عمر ابھی چودہ سال کی رہی ہوگی کہ اس نے ارسطو جیسے عظیم مفکر اور فلسفی سے تحصیل علم شروع کر دیا۔ آٹھ سال تک علوم و معارف اور سیاست و حکمرانی کے ایسے ایسے نکات سیکھتا رہا جو اس سے پہلے کسی کے حاشیۂ خیال میں بھی نہیں گذرے تھے ارسطو ہی کی تعلیم و تربیت کے اثرات تھے جن سے وہ تدبیر مملکت اور فتح و شکست کے رموز کا عظیم واقف کار بن گیا۔

ارسطو اس طویل زمانے تک اپنے افکار میں جلا، اور اپنے خیالات میں پختگی پیدا کرتا رہا۔ آخرکار اب اس لائق ہو گیا تھا کہ اپنی قوتِ ذہن کے ذریعہ ایک نئے طرز کا علم مدون کر سکے اور نئے پیرائے میں اس کی ترجمانی کر سکے، چنانچہ وہ اپنی عمر کے آخری دور میں اس وقت ایتھنا کے لئے رخصتِ سفر باندھا جب فیلبس کے انتقال کے بعد سکندر تخت نشیں ہوا۔

ارسطو نے اس مرتبہ وہاں پہنچ کر "لیسیم" (Lyceum) نامی مقام پر اسکول تیار کرایا، اس لئے اس مدرسہ کا نام بھی اسی مقام کے نام سے مشہور ہو گیا "کلیمنٹ" کی تصریح کے بموجب اسی وجہ سے فرانس میں اب تک پبلک اسکول کو "لیسی" کہتے ہیں۔ (۳۴)

اس کا مدرسہ آج کل کے کالجوں کی طرح بڑی بڑی بلڈنگوں اور عظیم الشان عمارتوں پر مشتمل نہ تھا، بلکہ سادہ انداز کا ایک علمی مندر تھا، جہاں دورِ حاضر کی طرح سے علم دشمن نہیں بلکہ علم دوست جمع ہوتے تھے۔ اس کا مدرسہ اولاً ایک باغیچہ میں تھا جیسا کہ تاریخ الفلاسفہ میں ہے "قد اکتنفتہٗ صفوف من الاشجار" (۳۵) کہ جس جگہ مدرسہ تھا وہاں ارد گرد درختوں کی قطاریں تھیں۔

قرین قیاس یہ ہے کہ تعلیم کا سلسلہ اس باغ میں شروع کیا گیا ہوگا۔ اور پھر ضرورت کے مطابق اس کی تعمیر اور توسیع ہوئی ہوگی۔ اگر ارسطو اور سکندر کے باہمی روابط، اور سکندر کی علم دوستی پر نظر رکھی جائے تو یہ بات اقرب الی الفہم ہو جاتی ہے۔

بہر حال ارسطو کا یہ مدرسہ افلاطون کی طرز و فکر کا متحمل نہ تھا، بلکہ وہ اس کا ضد تھا
ارسطو کو اس وقت غیر معمولی شہرت حاصل ہو چکی تھی۔ وہ طلبار کی تمناؤں کا مرکز بن چکا تھا
سب اس کا شاگرد بن جانے میں فخر محسوس کرتے تھے۔ بس اتنی دیر تھی کہ وہ کوئی مدرسہ قائم کرکے
تدریسی میدان میں اتر آئے۔

چنانچہ جب اس نے اس مدرسے میں درس دینا شروع کیا تو ہر طرف سے طلبہ کھنچ کھنچ کر آنے لگے اس کے مدرسے کو پورے ملک یونان میں ایسی شہرت حاصل ہوئی کہ کسی بھی دوسرے کو نہ ہو سکی، یہی نہیں بلکہ ملک کے تمام جامعات پر اس کو برتری حاصل ہو گئی وہ اپنی عادت کے مطابق طلبار کو گھوم گھوم کر تعلیم دیتا تھا۔ اس لئے وہاں کے فارغین اور ازمنۂ متاخرہ میں اس طریق فکر کے اختیار کرنے والوں کو بھی مشائین کہا جانے لگا۔

ارسطو نے اس مدرسہ کا انتظام و انصرام تیرہ ۱۳ سال تک کیا، اور اس مدت میں اپنی اہم اہم کتابیں تصنیف کیں، چونکہ اس نے پختگی حاصل کر لینے کے بعد تمام چیزوں پر کلام کیا تھا۔ اس لئے اس کے یہاں اور فلسفیوں کے اعتبار سے قوی دلائل پائے جاتے ہیں، اور اس کی باتیں وزن دار ہوتی ہیں۔ ارسطو نے بہت سی چیزوں کو تجربات کی روشنی میں پیش کرنے کی کوشش کی اس لئے سکندر تجربات کے لئے اس کی مالی امداد کیا کرتا تھا۔ چنانچہ جس زمانے میں یہ اپنے ایشیائی مہم پر تھا۔ ارسطو کے لئے اس نے عملی تجربات کے مواقع فراہم کر دئے تھے۔ ۳۵

ارسطو نے اپنی وفات سے پہلے ہی اپنے شاگرد اور بھانجے (اور قفطی کے نزدیک بھتیجے) "تاؤفرسطس" کو اپنے مدرسے کا مہتمم بنا دیا تھا۔ کیونکہ اسے یقین تھا کہ وہ اس کو ترقی دے گا اور ہر طرح سے اس کے انتظامات کو سنبھال سکے گا۔ لیکن وہ تمام تر کوششوں کے باوجود اس مدرسہ کو اس مقام پر نہ لے جا سکا جس کی تمنا ارسطو کو تھی۔

منطق کا استخراج و تدوین اور اس کے اسباب

ارسطو نے منطق کو اپنے اسلاف کی طرح جانا پہچانا اور اپنے فہم و ذکار کے باعث اس کے حقائق و رموز تک

رسائی حاصل کر کے متقدمین پر فوقیت لے گیا۔ اب تک کسی کو اس طرف توجہ نہ ہوئی تھی کہ اصولیات منطق سے برہان وقیاس کا استخراج کرے اور اس کو ایک فن کے طریقے پر مرتب کرے، اس کی پہلی شخصیت ہے جسے ان دونوں چیزوں کی توفیق ملی۔

ارسطو نے دیکھا کہ آج تک جنھوں نے منطق پر کچھ کلام کیا ہے وہ نہایت ہی بے بصیرتی کے ساتھ اس قوت پر ایک سرسری نظر ڈال کر چلے گئے ہیں۔ اس لئے اس کی بیدار مغزی اور رمز شناسی نے اس کا مطالبہ کیا کہ اس قوت سے جو کام لیا جا سکتا ہو، اور جس اصول کے تحت لیا جا سکتا ہو ان کو اپنے دماغ سے نکال کر زبان پر لاؤ اور پھر اس کو مرتب اور مدون شکل میں قوم کے سامنے پیش کر دو۔ استخراج منطق کا یہ پہلا سبب تھا۔ دوسرا سبب یہ پیش آیا کہ جس وقت ارسطو نے اپنے طلبار میں فکری اور استقرائی خامیوں کو تیزی کے ساتھ راہ پاتے دیکھا اور اس کا اندازہ کر لیا کہ اس کی اصلاح صرف منطق کو برتنے کے ذریعے ہو سکتی ہے۔ لیکن اس کا برتنا بغیر اصول ومبادی کے مرتب کئے ہوئے ممکن نہیں تو فوراً منطق کے استخراج اور تدوین کی طرف توجہ کی اور جلد ہی اس کے قواعد اور طریقے متعین کر دئے۔

ارسطو نے اشیار کا مطالعہ بڑی وقت نظری سے کیا۔ اور متقدمین فلاسفہ کے نظریات پر عموماً اور اپنے استاذ افلاطون کے آرار پر خصوصاً ناقدانہ نگاہ ڈالی۔ تقریباً ان سب کا یہ خیال تھا کہ حواس کے ذریعہ صحیح طریقے پر علم نہیں حاصل کیا جا سکتا۔ کیونکہ حِسِ انسانی بہت سے ادراکات کی تحصیل سے عاجز رہ جاتی ہے۔ اس لئے انہوں نے اسے پس پشت ڈال دیا۔ اور اس طرح وہ بہت سے طبعی احکام کی تعلیل اور ان سے کماحقہ استفادہ کی صلاحیت کھو بیٹھے۔ ارسطو اس بنیادی چیز کو تاڑ گیا، اس نے دیکھا کہ ذہن میں حاصل ہونے والے موجودات سے، خارج میں پائی جانے والی اشیار پر ٹھیک استدلال ہو سکے گا۔ اس لئے اس کو موشگافی کی ضرورت ہی سرے سے نہیں پڑی۔ اس لئے اولاً ان احساسات کے ضمن میں آنے والی تمام چیزوں کا ابتدائی مطالعہ شروع کیا، اور دھیرے دھیرے تمام طبعیات کو گرفت میں لے کر آزمائش

کرڈالی، کیونکہ اس کی خواہش تھی کہ بیک وقت عقل اور طبعی حیثیت سے اشیاء پر غور وخوض کیا جائے۔ چنانچہ اس نے جب یہ مرحلہ طے کرلیا تو احساس اور طبیعت سے حاصل شدہ احکام اور ان کے علل واسباب پر گہری نظر ڈالی۔ جس کے ثمرہ میں کچھ اصول ومبادی تک رسائی ہوئی، اور یہی اصول ومبادی ایک مستقل علم کے قوانین اور قواعد تھے۔ اس طرح اس نے ایک نیا علم پیدا کرلیا۔ جسے اگرچہ بالکلیہ جدید نہیں کہا جاسکتا تاہم قواعد کی رو سے بلاشبہ اپنی نوعیت کا یہ پہلا علم تھا۔ اور بنیادی حقائق پر مشتمل ہونے کی وجہ سے پہلے کی تمام کوششوں کو جامع تھا۔ اسی علم کو منطق کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔

ارسطوی منطق کے اجزار ارسطو نے استخراج منطق کے بعد اس کے اجزار کی طرف توجہ کی تو اسے منطق کے اندر آٹھ اجزار کا پتہ چلا جن کے اسمار ضروری تشریح کے ساتھ ذیل میں بالترتیب درج ہیں۔

یونانی	عربی اردو	انگلش	تشریح
(۱) قاطیغوریاس	مقولات (مفردات)	The categories	اس کے اندر ایسے اجناس سے بحث ہوتی ہے جس کے اوپر احساسات کسی بھی جنس کا پتہ نہیں دے سکتے گویا یہ مبحث مفردات سے متعلق ہوتا ہے۔
(۲) باری ارمینیاس ہرمینیاس	عبارہ (قضایا تصدیقیہ)	The Hermeneutics	یہ قضایا تصدیقیہ اور ان کے تمام اقسام پر مشتمل ہوتا ہے یعنی یہ مقدمہ ہوتا ہے۔
(۳) انالوطیقا اول	تحلیل القیاس (قیاس)	The prior Analy-tics	یہ قیاس اور اس کے منتج ہونے کے بارے میں ہوتا ہے۔

(۴) انالوطیقا ثانی	برہان	The posterior Analytics	یہ اس قیاس کے اندر غور و فکر کرنے پر مشتمل ہوتا ہے جو یقین کا فائدہ پہنچائے۔
(۵) طوبیقا	جدل	The Topics	اس میں ان قیاسات کا ذکر ہوتا ہے جو مخالف کو زیر کرنے اور اس کو بند کر دینے کا فائدہ پہونچا سکیں۔
(۶) سوفسطیقا	سفسطہ	The sophistics	یہ ان قیاسات پر مشتمل ہوتا ہے جن سے خلاف حق کو ثابت کیا جاتا ہے۔ اور مناظر کو مغالطہ میں ڈالدیا جاتا ہے۔ یہ بیان محض اس لئے رکھا گیا۔ تاکہ مغالطات کو جان لینے کے بعد ان سے احتراز کیا جا سکے۔
(۷) ریطوریقا	خطابت	The Rhetoric	اس میں ایسے قیاس کا تذکرہ ہوتا ہے۔ جن کی مدد سے عوام کو کسی چیز کی ترغیب دلائی جاتی ہے، کسی کام پر ابھارا جاتا ہے اور اس سے یہ بات جان لی جاتی ہے کہ لوگوں کے سامنے اپنی بات کو کس انداز میں پیش کرنا چاہئے

(۸) ابوطیقا بوطیقا.	شعر	The poetic	اس میں ایسے قیاس سے بحث ہوتی ہے، جو تشبیہ اور تمثیل کے طریقوں کو واضح کرتا ہے، کسی شئی کی طرف رغبت دلانے یا اس سے نفرت دلانے میں کیا انداز اختیار کرنا چاہئے، اور خیالات کو کس طرح پیش کرنا چاہئے۔ اس کی تشریح کرتا ہے۔

ارسطو نے منطق کے اندر جو آٹھ شقیں نکالیں اور ہر ایک کے قواعد اور اصول بنائے۔ وہ الگ الگ مستقل تصنیف کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اس اعتبار سے ہر ایک کے نام بھی جدا جدا ہیں۔ ارسطو نے صرف تحلیل اصطلاحات سے کام لیا تھا۔ ان اجزاء کے نام متعین نہیں کئے تھے۔ اس لئے بعد میں آنے والوں نے ہر ایک کے نام وضع کئے۔ چونکہ منطق ہی کے یہ تمام اجزاء تھے۔ اس سے انہیں صرف ایک کتاب میں بھی کہا جا سکتا ہے۔ اسی لئے بعد میں آنے والوں نے اس کی اس تصنیف کا نام "ادرجانون" یا "ارغنون" (organon) رکھا، مفتاح الفلسفہ میں ہے کہ یہ نام ارسطو نے خود ایجاد نہیں کیا تھا۔ (۳۶)

بعضوں نے ارسطو کی اس کتاب کا نام "نفس" قرار دیا ہے۔ جو از روئے تحقیق درست نہیں ابن خلدون کی تعیین کے مطابق کتاب ادرجانون یا ارغنون کے بنیادی طور پر دو حصے ہیں۔ پہلا حصہ منطق الصورۃ (Diamones) کہلاتا ہے اور دوسرا منطق المادۃ (Inductione) پہلے میں اول کے تین اجزاء اور ثانی میں آخر کے پانچ اجزاء داخل ہیں۔

اسکندر افرودسیس (۳۷) (۱۹۸ - ۲۱۱ ق م) کا خیال ہے کہ ادرجانون کے اندر کتاب الخطابہ اور کتاب الشعر داخل نہیں ہے۔ بلکہ یہ الگ الگ دو مستقل کتابیں ہیں۔ اس رائے کے بموجب

ارسطو کی کتاب جملہ اول الذکر حصوں کا مجموعہ ہوگی۔ ثقات کا ایک بڑا گروہ اسی کا قائل ہے۔ لیکن پانچویں صدی عیسوی کے شارحین کے سرخنہ امونیوس، سامبلیسیوس اور داؤد ارمنی ان دونوں کو کتاب میں داخل مانتے ہیں۔ بلکہ امونیوس تو فرفریوس صوری (۲۳۲-۳۰۴ء) کی ایساغوجی یا مدخل کو بھی داخل کرتا ہے۔ اس طرح منطق کے کل نو اجزاء قرار پاتے ہیں۔ امونیوس کے طریق کار کی پیروی ابن سینا اور اکثر مناطقۂ عرب نے بھی کی۔ (۳۸)

اسی طرح ارسطوی منطق میں شکل رابع اور قیاس شرطی داخل نہیں ہے۔ کیونکہ ارسطو نے ان کا ذکر نہیں کیا۔ پوری تفصیل آگے آئے گی۔

نوٹ: ڈاکٹر احمد امین اور ڈاکٹر زکی نجیب دونوں صاحبان نے قصۃ الفلسفۃ الیونانیہ (طبع مصر ۱۹۳۵ء) (جو دونوں کی مشترکہ تصنیف ہے) کے صـ۲۱۹ پر مقدمہ ابن خلدون کے حوالہ سے ارسطوی منطق کی دو قسمیں منطق الصورہ اور منطق المادہ قرار دیا ہے۔ اور آگے لکھتے ہیں "وقد عنی ارسطو بمنطق الصورۃ فقط، اما منطق المادۃ فلم یبحث ویبوب الا فی العصور الحدیثۃ" ارسطو نے صرف منطق الصورۃ کی طرف توجہ دی اور منطق المادۃ پر بحث اور اس کی تبویب دور حاضر میں ہوئی اس سے پہلے نہیں۔ اور بحث کے خاتمہ پر لکھتے ہیں "وکل ما یؤخذ علیہ ھو ما ذکرنا انہ اھمل منطق المادۃ تقریباً مع انہ احق بالنظر" یعنی ارسطو پر سب سے زبردست گرفت جو کی جاتی ہے۔ وہ یہی ہے جس کو ہم ذکر کر آئے ہیں۔ کہ اس نے منطق المادۃ کو تقریباً بیکار چھوڑ دیا۔ حالانکہ یہی سب سے زیادہ قابل توجہ تھی۔

حالانکہ ابن خلدون کی جس عبارت سے انہوں نے استفادہ کیا ہے۔ اس کے فوراً بعد انہوں نے ارسطو کی کتاب اور اس کے آٹھ اجزاء کا ذکر کیا ہے۔ جن میں سے آخر کے پانچ کو منطق المادہ قرار دیا ہے۔ یہی نہیں بلکہ ابن تیمیہ (۶۶۱-۷۲۸ھ) نے الرد علی المنطقیین صـ۲۷ (طبع بمبئی ۱۹۴۹ء) پر ابن ابی اصیبعہ (۶۰۰-۶۶۸ھ) نے طبقات الاطباء صـ۹۴ اور جمال الدین قفطی (۶۴۶ھ) نے اخبار الحکماء صـ۲۶ (طبع مصر ۱۳۲۶ھ) پر قاضی صاعد بن

احمد اندلسی (م ۴۶۲ھ) نے طبقات الامم ص ۳۹ (طبع مصر) پر اور ابن ندیم (م ۳۸۵ھ) نے الفہرست ص ۳۴۹ (طبع مصر ۱۳۴۸ھ) پر ارسطو کی منطقی تصنیفات کے بیان میں ان آٹھوں اجزاء کا تذکرہ کیا ہے۔ جن میں سے آخر کے پانچ منطق المادہ کہے گئے ہیں۔

تعجب تو یہ ہے کہ پروفیسر احمد امین بھی ضحی الاسلام میں ان تمام اجزاء کا تذکرہ ارسطو کی منطق کے ضمن میں کرتے ہیں۔

ثاؤفرسطس ارسطو نے اپنے مدرسے کی ذمہ داری ثاؤفرسطس کے اوپر جس وقت ڈالی تھی اس وقت اس کی مرتب کردہ منطق کا درس یہاں ہوتا تھا — ثاؤفرسطس نے ارسطو کی دلی تمنا کو پورا کر لینے کی مکمل طور پر کوشش کی اور ذاتی طور پر اس نے کام بھی کیا۔ بہت سی کتابیں لکھیں۔ جن میں سے بعض کا ترجمہ بھی ہوا۔ کتاب قاطیغوریاس کی تفسیر کی نسبت اگر اس کی طرف درست ہو تو یہ منطق ارسطو کے اس جز کی پہلی شرح ہو گی جو اس دارالعلوم میں لکھی گئی۔ (۳۹) لیکن اس کا قطعاً پتہ نہیں چلتا کہ کسی نے اس میدان میں آگے قدم بڑھا کر اس دور میں منطق ارسطو کی توسیع کا پروگرام بنایا ہو یا کسی قدر جدت طرازی کا ثبوت دیا ہو۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنے معلم کے اس خاص فن "منطق" پر کوئی توجہ نہیں دی۔ جبھی تو کسی نے اس سلسلہ میں کوئی نمایاں کارنامہ انجام نہیں دیا۔ مزید تفصیل دوسرے دور میں آئے گی۔

رواقیین رواقیین! رواق کی طرف منسوب ہیں جس میں انھیں تعلیم دی جاتی تھی۔ اس مذہب فکر کے بانی زینو (ZENO ۳۴۲-۲۶۴، ۲۶۰ ق م) نے ڈالی اس کی وفات کے بعد "کلیتھیس" ۲۳۲ ق م تک اس کا صدر رہا۔ پھر ۲۰۴ ق م تک عظیم مفکر "کریس پیوس" نے اس کی تمام ذمہ داریاں سنبھالیں۔ پھر یکے بعد دیگرے بہتوں کو اس کی ریاست ملی۔ اور ان سربرآوردہ فلسفیوں کی قیادت میں یہ مدرسہ ۱۵۰ ق م تک اثینا کے اندر کسی نہ کسی انداز میں منطق کی خدمت کرتا رہا۔ پھر اسے روم منتقل کر لیا گیا۔ اس مدرسہ کے زعماء کے نظریات تاریخ میں محفوظ نہیں ہیں۔ ہاں سرسری طور پر رواقیین کے منطقی نظریات کا پتہ کم و بیش چلتا ہے۔ اس لئے ان کی ذاتی رائے سے تعرض

نہیں کیا جائے گا، اس مکتبۂ فکر کے بانی زینو اور اس کے ذہین و مجتہد شاگرد کرسپیوس نے منطق ارسطو پر استدراک لکھا۔ چنانچہ زینو کے بارے میں ہے۔ "اجتھد فی علم المنطق وزاد بہ اشیاء کثیرۃ" (۴۰) کہ اس نے علم منطق میں درجۂ اجتہاد حاصل کرلیا۔ اور بہت سی چیزیں زیادہ کیں، اور کرسپیوس کے بارے میں ہے۔ "انہ غیر اشیاء کثیرۃ من تعالیم سلفائہ وزاد علی ما الفوہ فی کتبھم الکثیرۃ العدد اشیاء اُخر غیرھا (۴۰) کہ کرسپیوس نے متقدمین کی تعلیمات میں بہت سی چیزیں بدل دیں۔ اور انھوں نے اپنی بے شمار کتابوں میں جو چیزیں رکھ چھوڑی تھیں ان پر بہت سی دوسری چیزوں کا اضافہ کیا۔ اور ان دونوں نے ارسطاطالیس کی منطق کو مبحث علم کے مطالب اور شرطی اور انفصالی استدلال کے نظریہ سے مکمل کیا (۴۱) بعضوں نے اس چیز کو شبہ کی نظر سے دیکھا ہے کہ ارسطو نے صرف قیاس حملی پر اکتفا کیا اور قیاس شرطی سے تعرض نہیں کیا۔ لیکن اس نسبت کی واقعیت میں اس وقت کوئی اشتباہ نہیں رہ جاتا۔ جب ہم رواقیین کی ان خدمات پر نظر ڈالتے ہیں جو انھوں نے منطق کے سلسلے میں انجام دئے۔ ظاہر بات ہے اگر ارسطو سے قیاس شرطی مختلف نہ ہوا ہوتا تو رواقیین کو اسے بطور تتمۂ منطق پیش کرنے کی کوئی ضرورت ہی پیش نہ آتی۔

رواقی مکتب فکر نے جس طرح منطق کی تجدید کی، اس کو وسعت دی اور متنوع خصوصیات کا حامل بنایا۔ اسی طرح اس کو اپنے خاص انداز میں مرتب بھی کیا۔ چنانچہ انھوں نے منطق کو دو حصوں میں تقسیم کردیا۔ وہ ایک حصے کو ڈایالکٹک (مناظرہ) اور دوسرے کو ریطوریقا (خطابت) کہتے تھے۔ (۴۲) اس مکتب فکر کے قیام کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ متقدمین کے تمام فلسفیانہ اور منطقیانہ اسالیب کا جائزہ لیا جائے، یہی وجہ ہے کہ انھوں نے گرچہ کوئی خاص منطق ایجاد نہیں کی۔ تاہم جس کی (ارسطو کی) منطق کو اپنے یہاں رواج دیا اس کو بعینہ قبول نہیں کرلیا۔ بلکہ اس کو اپنے خاص نظریات کے مطابق کرلینے کے بعد اپنے نصاب تعلیم میں داخل کیا۔

رواقیین کا منطقی نظریہ رواقیین نے افلاطون کے اس مذہب کا انکار کردیا کہ نفس کھند

انسان کی پیدائش ہی کے وقت فطری طور پر ایسا مثل پایا جاتا ہے۔ جو حقیقت مطلقہ سے بحث کرتا ہے۔ اس کا اکتساب عالم خارجی سے نہیں ہوا۔ ان کا خیال ہے کہ بوقت ولادت بچہ کا نفس ہر قسم کے آثار اور ہر قسم کی صورتوں سے بالکل صاف اور خالی ہوتا ہے۔ پھر اس کے حواس پر اشیاء خارجیہ سے پیدا ہونے والے آثار کی آمد شروع ہوتی ہے۔ اور ان کی صورتیں آئینۂ ذہن پر منعکس اور مرتسم ہونے لگتی ہیں۔

اس وجہ سے عقل آثار حسیہ کو قبول کرنے والی اور ان سے منفعل ہونے والی ثابت ہوئی۔ رواقیین کا خیال ہے کہ سرچشمۂ معرفت عالم خارجی ہے جو ہم تک اسباب علم کا فیضان کرتا ہے جس سے پانچ حواس ہمیں حاصل ہوتے ہیں۔ اور اس چیز کا نام علم اور معرفت ہے۔ اس کے برخلاف افلاطون کا نظریہ ہے کہ تنہا عقل ہی مصدر معرفت ہے۔ اس لئے کہ معرفت عقل ہی میں چھپ کر برآمد ہوتی ہے۔ حواس حصول معرفت کا ذریعہ نہیں، کیونکہ یہ اوہام ولغزشات تک پہنچاتے ہیں۔ رواقیین نے افلاطون کے اس نظریہ کو بھی رد کر دیا کہ مدرکات کلیہ یا بالفاظ دیگر اجناس کے اسماء جیسے انسان گھوڑا، درخت وغیرہ۔ طبیعی حقائق کی صورتیں ہیں جو بالفعل موجود ہیں۔ لیکن ہمارے ذہن کی گرفت سے خارج ہیں۔ غرض یہ ادراکات کلیہ ہماری عقلوں میں صرف افکار کا درجہ رکھتی ہیں، ہمارا واسطہ حیات کی جن جزئیات سے پڑتا ہے ہم ان سے ان افکار کو الگ کر لیتے ہیں۔ پھر تمام اشباہ کو ایک جنس میں جمع کر دیتے ہیں اور اسے مشترک کا نام دیدیتے ہیں۔ لیکن ایسی صورت میں ہمارے نفوس کے ماوراء اسم مشترک کا کوئی مدلول نہیں ہوتا۔

رواقیین کے خیال کے مطابق جب تمام معرفتوں کا صدور اشیاء محسوسہ ہی سے ہوتا ہے تو ہمارے ذہن میں چھپے ہوئے آثار اور اشیاء خارجیہ کے درمیان مطابقت کا نام حقیقت ہے۔ یا یوں کہہ لیجئے کہ یہی حقیقت ہمارے ذہن میں موجود شئی کی صورت اور نفس شئی کے درمیان مطابقت پیدا کرتی ہے۔

لیکن یہ چیز کیسے جانی جا سکتی ہے کہ ہمارے ذہن میں جو افکار ہیں وہ خارج میں پائی جانے والی اشیاء کی صحیح صورتیں ہیں۔ یہ کیسے معلوم ہوا کہ ذہن میں مثلاً درخت کی جو صورت ہے وہ اپنے مسمّیٰ پر منطبق ہوتی ہے؟ اور یہ افکار و خیالات کی بازیگری اور احلام کا اختراع کیوں نہیں ہیں؟

اس کے جواب میں رواقیین کہتے ہیں کہ ہاں ضرور ایسی چیز موجود ہے۔ لیکن وہ ان کلی ادراکات میں نہیں پائی جاتی ہے۔ اس لئے کہ کلی ادراکات تو محض ذہنی اپج ہیں۔ اور اسی اپج نے ان ادراکات کی تخلیق کی ہے۔ اور حواس سے برآمد شدہ چیزوں سے ان کی ترکیب کی ہے۔ اس کو یوں سمجھئے کہ ہم زید، عمرو بکر کو دیکھ کر اپنے نفس میں ایک صورت کی تخلیق کرتے ہیں۔ اور اس تخلیق کا نام انسان رکھ دیتے ہیں۔ تو یہ کسی بھی طرح درست نہیں ہے کہ جس صورت کی ہم نے تخلیق کی اسے اپنے نفس کا مقیاس قرار دے لیں۔ جس کے ذریعہ صحیح کو باطل سے چھانٹ لیا جائے اس وجہ سے آثار محسوسہ جن کے مقیاس ہونے کا ہم کو دعویٰ ہے۔ بہی حق ہوں گے۔ اس بیان سے جب اتنی بات واضح ہو گئی کہ مقیاس حقیقیہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ دائرۂ احساس ہی میں رہے۔ اس سے متجاوز نہ ہو تو مقیاس حقیقیہ فکر نہیں ہو سکتا بلکہ شعور ہو گا۔

رواقیین کا خیال ہے کہ اشیاء حقیقیہ یا تو ہمارے اندر قوی اور واضح شعور پیدا کرتی ہیں یا اپنے حقیقی ہونے کا اعتقاد ہمارے اندر پیدا کرتی ہیں۔ اور ذہن کے اندر شئی حقیقی کی جانب سے پیدا شدہ جو صورت ہوتی ہے اس میں یہ قوت اور وضوح اس بات کا ضامن ہوتے ہیں کہ ان ذہنی صحیح صورتوں کو ممتاز کر دیں جو حقائق خارجیہ کی تمثیل ان صورتوں سے پیش کرتی ہیں۔ جن کو احلام نے گھڑا ہے اور خیال نے جس کی ترتیب کی ہے۔

اس طریقہ سے جب شئی حقیقی ہمارے دلوں میں گھر کر جاتی ہے اور جھٹک کر نکال پھینکنے کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی تو اس وقت دل میں یہ پختہ یقین اور اعتقاد ہوتا ہے کہ شئی معین خارج میں بالفعل موجود ہے پس یہی شئی، حقیقت مؤکدہ، اور تنہا یہ اعتقاد مقیاس

حقیقت ہے۔ (۴۲)

ابیقوریین

ابیقوری طریق فکر کی بنیاد چوتھی صدی ق م کے خاتمہ پر لیشینا میں ابیقور (متولد ۳۴۲ ق م لمبساکوسی نے رواقیت کے ایک یا دو برس پہلے ڈالی تھی۔ اسی لئے اس کے نام کی طرف نسبت کرکے اس مذہب فکر کو ابیقوریت اور اس طرز پر غور و فکر کرنے والوں کو ابیقوریین کہا جانے لگا۔ ابیقور نے اس نئے طرز فکر کی تاسیس اس غرض سے کی تھی کہ فلاسفہ سابقین کے نظریات کا تتبع کرکے مخفی حقائق تک رسائی حاصل کی جائے گی۔ لیکن صرف ابیقور نے جو کچھ کلام کیا وہی لے دے کر اس مکتبۂ فکر کا کل سرمایہ ہے۔ کیونکہ اس کے اتباع میں کسی نے بھی منطق پر کوئی توجہ نہیں دی۔ اس لئے نہ تو ابیقور کی آرزوئیں برآئیں اور نہ اس کے پیش کردہ مجمل نظریات ہی شرمندۂ تشریح ہو سکے۔

ابیقور کا منطقی نظریہ

ابیقور کا خیال تھا کہ حواس ظاہرہ کی بہ نسبت حواس باطنہ میں احساس کرنے اور اثرات کو قبول کرنے کی قوت بہت زیادہ ہوتی ہے۔ کیونکہ جسم انسان کو جب کوئی تکلیف لاحق ہوتی ہے۔ تو وہ وقتی طور پر اس سے رنج محسوس کرتا ہے اور مصیبت کے زائل ہو جانے کے بعد اگر اس الم کا احساس کرنا چاہے تو یہ بدنِ آدمی کے بس کا روگ نہیں۔ لیکن عقلی اور فکری پریشانی کے بعد بھی مصائب کا تصور کرتے ہی انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اس کے ذہن میں اس درد اور کلفت کی معنوی صورت مرتسم ہو جاتی ہے۔ جس سے وہ ماضی اور حال کے ساتھ ساتھ مستقبل میں پیش آنے والے حادثات کا ادراک کر لیتا ہے۔ (۴۳)

ہزار اجمال کے باوجود اس نے اس نظریہ کو بڑی سادگی اور وضاحت کے ساتھ پیش کر دیا ہے۔ گویا ہم خود اس کا ادراک کر رہے ہیں۔ اتنا ہی نہیں بلکہ جب فلاسفہ کے خیالات اس بارے میں مختلف ہو گئے کہ حقائق کو پہچاننے کے لئے کون سا طریقہ اختیار کرنا زیادہ اچھا ہے۔ تو اس موقعہ پر ابیقور نے اپنی رائے ایسے انداز میں پیش کی کہ اس کا ڈانڈا منطقی برہان

کے ساتھ آ کر مل گیا۔

اس نے کہا کہ حقائق کی معرفت حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ حواس ہے۔ اور ہم اس سے مستغنی ہو کر حقائق اشیاء کا پتہ نہیں لگا سکتے۔ کیونکہ حواس کے سوا کوئی آلہ ہی ہمارے پاس موجود نہیں ہے جس سے صحیح اور فاسد میں امتیاز کر سکیں۔ اس کی خاص رائے یہ تھی کہ ذہن ابتدائی مراحل میں اشیاء کے تصورات سے بالکل پاک، ایک صاف شفاف تختی کے مانند ہوتا ہے۔ پھر جسمانی اعضاء جوں جوں مضبوط ہوتے جاتے ہیں۔ اسی مقدار میں معرفت کے دروازے بھی حواس کے ذریعہ کھلتے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ اس لائق ہو جاتا ہے کہ غائب اشیاء کے بارے میں غور و فکر کر سکے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ فکر ہمیشہ درست ہی ہو گا۔ بلکہ اس میں اس قدر غلطی کا احتمال ہوتا ہے کہ بہت سی غائب چیزوں کو حاضر اور بسا اوقات بہت سی غیر موجودہ اشیاء کو متصور سمجھ لیا جائے اور حواس کا معاملہ اس طرح نہیں ہے۔ بلکہ وہ صرف حاضر چیزوں کو بوقت موجودگی ہی ادراک کر پاتے ہیں۔ اسی لئے اشیاء کے وجود کے سلسلے میں ان سے کبھی غلطی نہیں ہوتی۔

انہیں وجود کے پیش نظر یہ بات خلافِ عقل شمار کی جاتی ہے کہ کوئی اپنے فکر کے صدق و کذب کو براہین کے معیار پر پرکھ لے اور یہ فی الواقع غلط ہوں۔ پھر بھی اپنے حواس سے کام نہ لے اور اس پر محض اس وجہ سے ڈٹا رہے، کہ اس نے ایک کسوٹی پر اپنے نظریہ کو پرکھ لیا ہے۔ جس سے اس کی رائے غلط معلوم نہیں ہوتی ہے۔ حالانکہ وہ فی الواقع غلط ہے۔ (۴۴)

یہ ہے منطق کے بارے میں ابیقور کا نظریہ جس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ براہین منطقیہ کی افادیت کا تو قائل ہے لیکن اس حد تک نہیں کہ ان سے غلطی کا صدور ناممکن ہو بلکہ اس کے خیال کے مطابق منطق کو برتنے کے باوجود غلطی ہوتی ہے۔ اس لئے اس کے نزدیک حواس سب سے معتبر ذرائع معلومات ہیں۔ غالباً انہیں نظریات کی جانب

اشارہ کرتے ہوئے اس نے اپنی موت کے وقت کہا تھا۔

وهم ما اذوقه من هذه الالام فانى اتسلى واتصبر حين اتذكر البراهين التى زينت بها علم الفلسفة۔	عالم نزع کی پریشانیوں کے باوجود میں اس وقت سکون اور راحت محسوس کرتا ہوں جب ان "براہین" کو یاد کرتا ہوں جن سے میں نے علم فلسفہ کو مزین کر دیا ہے۔

اس سے ابیقور کی خدمات منطق پر مکمل طور سے روشنی پڑ سکتی ہے کہ اس نے فلسفہ کے لئے کچھ براہین وضع کر رکھے تھے۔ جن کو وہ مرتے دم تک اپنی تسلی کا سامان سمجھتا رہا۔

خصوصیت دور اول کی چند چیزیں بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔ جن کو مدنظر رکھ کر منطق کی ابتدائی نشو ونما اور ماحول اور نوعیت کا صحیح اندازہ لگایا جا سکے گا۔ جس دور میں منطق کا پتہ ہمیں معتبر ذرائع سے لگا ہے۔ اس میں فلسفہ پورے عروج پر تھا۔ ہر طرف اس کی صدا بلند ہو رہی تھی۔ ہر وہ شخص جس نے معمولی طور سے فلسفیانہ مسائل پر نگاہ ڈالی ہو اور اساتذہ کی خدمت میں رہ کر تعلیم کی تکمیل نہ کی ہو۔ اس کے لئے اس زمانے میں مناسب نہ تھا کہ وہ اس علم میں کلام کرے اور اپنی بے بصیرتی کی وجہ سے جگہ جگہ رسوا ہو، ایسے وقت، کچھ ایسے پراگندہ خیالات ذہنی کاوشوں کے نتیجے میں ظاہر ہوئے جو آگے چل کر دراصل ایک مستقل فکر اور علوم عقلیہ کے لئے ایسا معیار بننے والے تھے جو غور و خوض کی صحت اور سقم کو پہچاننے میں مشعل کا کام دے سکیں اور صحیح طریقے پر تدبر کرنے کا ملکہ ذہن کے اندر پیدا کر دیں۔

ابتدا، میں یہ محض چند اصول اور مبادی پر مشتمل تھے۔ جن کا پتہ صحیح طور پر کسی ایک شخص نے اصطلاحی صورت میں نہیں لگایا۔ بلکہ اس راہ میں اہل یونان نے دوسرے ممالک کی بھی مکمل مدد حاصل کی۔ حتی کہ پہلے دور میں زیادہ سے زیادہ کامیابی اس حد تک ہو سکی کہ کچھ اصول مرتب کر کے قلم بند کر لئے گئے اور علی الاقل اس لائق بنا دیا گیا

کہ تھوڑی سی وقت نظری کے بعد اس کو ایک علم کی حیثیت دی جا سکے۔ چنانچہ اس دور کے آخری فلسفی افلاطون کی جدت طرازیوں کے بعد اس کے شاگرد ارسطو نے ایک علم کی بنیاد ڈالدی۔ چونکہ افلاطون دوسروں کے افکار و خیالات سے استفادہ کرنے میں کوئی جھجک نہیں محسوس کرتا تھا۔ اس نے ناقص مگر پہلی کامیابی اسی کو حاصل ہوئی۔ اس کے بعد ارسطو نے اس کی تکمیل کی اور زینو اور ابیقور نے اس کی تہذیب اور تنقیح کی۔ گویا یہ ایجاد و اختراع اور تخلیق و ابتکار کا دور تھا۔

(باقی)

حوالہ جات و حواشی

(۲۵) الرد علی المنطقیین ص۳۸ طبع بمبئی ۱۹۴۹ء
(۲۶) ملل و نحل ج ۲ ص۲۳
(۲۷) طبقات الامم ص۳۶، ۳۷ و اخبار الحکماء ص۲۲
(۲۸) تقویم البلدان ص۳۸۳
(۲۹) طبقات الامم ص۲۵
(۳۰) ملل و نحل ج ۲ ص۴
(۳۱) مفتاح الفلسفہ ص۴۹ از آس والڈ کلپے مترجم مرزا محمد ہادی
(۳۲) الجانب الالٰہی من التفکیر الاسلامی ص۱۰۹ طبع مصر ۱۹۴۵ء
(۳۳) تاریخ الفلسفہ ص۲۸
(۳۴) ایضاً ص۳۰
(۳۵) تاریخ الفلاسفہ ص۱۰۳
(۳۶) مفتاح الفلسفہ ص۴۹

(۳۷) اسکندر افرودیسی ۱۹۸ء سے ۲۱۱ء تک ایتھنز میں مشائین کے سردار اور امیر کی حیثیت سے رہا تفصیل آگے آئے گی۔

(۳۸) مقدمہ ابن خلدون ص ۱۲۳۹، ۱۲۴۰

(۳۹) الفہرست ص ۲۵۳

(۴۰) زبدۃ الصحائف فی اصول المعارف از نعمت اللہ نوفل طرابلسی ص ۲۷ طبع بمبئی ۱۳۲۳ھ

(۴۱) مفتاح الفلسفہ ص ۵

(۴۲) قصۃ الفلسفہ الیونانیہ ص ۲۸۳ تا ۲۸۵ طبع مصر ۱۹۵۳ء

(۴۳) تاریخ الفلاسفہ ص ۱۴۱

(۴۴) ایضاً ص ۱۴۹، ۱۵۰

حیات مولانا عبدالحیؒ

مولفہ: جناب مولانا سید ابوالحسن علی ندوی صاحب

سابق ناظم ندوۃ العلماء جناب مولانا حکیم عبدالحی حسنی صاحبؒ کے سوانح حیات علمی و دینی کمالات وخدمات کا تذکرہ اور آن کی عربی و اردو تصانیف پر تبصرہ آخر میں مولانا کے فرزند اکبر جناب مولانا حکیم سید عبدالعلیؒ کے مختصر حالات بیان کئے گئے ہیں۔

کتابت وطباعت معیاری، تقطیع متوسط ۲۰ × ۲۶/۸

قیمت ۱۲/۵۰ بلا جلد

ندوۃ المصنفین، اردو بازار، جامع مسجد، دہلی ۱۱۰۰۰۶